حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب

ارادۂ الٰہی

اور

اسباب مادّی

مادی اسباب کے سلسلے میں انبیاءؑ اور ان کے مخالفین کا فرق

قرآن کا — جو واحد کتاب ہے جس نے انبیاءؑ کی تاریخ، ان کے حالاتِ زندگی اور پیغمبرانہ خبروں کو محفوظ رکھا ہے۔ پڑھنے والا تسلسل اور وضاحت کے ساتھ یہ دیکھے گا کہ انبیاء کی بعثت ہمیشہ بڑے تاریک و مخالف ماحول میں ہوتی ہے۔ مادی لحاظ سے بھی وہ کمزور اور بے سروسامان تھے اور ملک و مال، دوست اور ساتھی اور دوسرے وہ تمام مادی اسباب جن پر انسانوں کو ناز ہوتا ہے ان کے مخالفین کے پاس تھے اور ان کے ماتحت تھے۔ انبیاء کا سرمایہ وہ مضبوط ایمان ہوتا ہے جس تک شک کی رسائی بھی نہیں، اخلاص کامل ہوتا ہے جس میں طمع و نفاق کی ذرا بھی آمیزش نہیں ہوتی۔ اللہ پر بھروسہ، اس کی طرف رجوع، اس کی چوکھٹ پر افتادگی۔ عمل صالح، تقویٰ، حسن سیرت، اخلاق فاضلہ ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر (مذکورہ صفات کی اہمیت برقرار رکھتے ہوئے) وہ صحیح ایمانی دعوت ہوتی ہے۔ جس کی کامیابی کی ضمانت خود خدا نے دی ہے۔

اِنّا لننصرُ رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا و یوم یقوم الاشہاد (پ۲۴ مومن آیت ۵۱)	ہم اپنے پیغمبروں اور ان کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی اور اس دن جب گواہ کھڑے ہوں گے ضرور مدد کریں گے۔
کتبَ اللہ لاغلبنّ انا و رُسلی ط ان اللہ قویٌ عزیز۔ (پ۲۸ مجادلہ آیت ۲۱)	اللہ نے طے کر رکھا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب آئیں گے۔ اللہ یقیناً قوی اور غالب ہے۔
ولقد سبقت کلمتُنا لعبادنا المرسلین ہ انہم لھمُ المنصورُون ہ و ان جُندنا لھم الغالبون ہ (پ۲۳ الصّٰفّٰت آیت ۱۷۱تا۱۷۳)	ہماری بات طے ہو چکی ہے اپنے بندوں اور رسولوں کے لئے کہ وہی کامیاب ہوں گے اور ہماری فوج ہی غالب رہے گی۔

متعین و مقصود موضوع قرآن کے پڑھنے والے کے سامنے یہ بھی آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کے جو

قصے۔ ان کی دعوت کی خبریں اور اس سلسلے میں پیش آنے والے مقابلوں جنگوں، سازشوں اور قوم کی متفقہ دشمنی اور متحدہ محاذ آرائی کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ اور اس خطرناک لڑائی کا جو نتیجہ بیان کیا ہے وہ ہمیشہ ایک نہتے مرد فقیر اور ایک سرمایہ دار اور ذی اثر قوم کے درمیان یا کسی جابر بادشاہ سے ہوئی اور نبوی دعوت اور اس کے علمبردار اپنے فقر و کمزوری کے باوجود کامیاب اور ذی اثر سرمایہ دار اور جابر بادشاہ اپنی قوت وسطوت کے باوصف ہمیشہ ناکام رہے یا اس دعوت کو ماننے پر مجبور ہو گئے۔

وہ ایک مقصود و مطلوب چیز ہے۔ یہ ایک مشترک حقیقت محض ایک اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ ایک دائمی سنّت الٰہی اور ایک طے شدہ بات ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ کی قدرت کاملہ اچانک حادثات اور بخت اور اتفاق سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی جو نادانوں اور بے عملوں کی منطق اور تسکین کا سامان ہے۔

اور یہ واقعات بار بار دہرائے گئے ہیں ان کے ذریعہ اس قدرت کاملہ پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے جس نے اسبا کو پیدا کیا اور جو اسباب کی مالک، ان میں اپنی مرضی سے تصرف کرنے والی اور انہیں مؤثر یا غیر مؤثر کر دینے والی ہے۔ اور وہ قدرت ــ جیسا کہ ہم نے سابقہ خطبہ میں کہا کہ اسباب کو پیدا کر کے خود معطل اور کمزور نہیں ہوئی اور اپنے ارادے سے اسے دوسروں کو دینے کے بعد خود اس سے محروم نہیں ہوئی۔ اور نہ وہ تخلیق وایجاد اور غلبہ و کامرانی کے لئے ان اسبا کی محتاج ہی ہے۔

یہ واقعات حق کی قوت، اس کے باقی رہنے کی صلاحیت اور باطل کی کمزوری اور اس کی سست بنیادی پر دال ہیں اور ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔

قل جآء الحق وما يبدئ الباطل وما يعيد۔ (پ ۲۲ سبا آیت ۴۹)	آپ کہہ دیجئے حق آ گیا اور باطل نہ اب شروع ہوگا نہ اس کی بازگشت ہوگی۔
بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فاذا هو زاهق ط ولكم الويل مما تصفون ٥ (پ ۱۷۔ انبیاء آیت ۱۸)	بلکہ ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں اور وہ اس کی سرکوبی کرتا ہے اور پھر وہ مٹ جاتا ہے اور تمہارے لئے اس میں جو تم کہتے ہو ہلاکت ہے۔
فاما الزبد فيذهب جفآء ج واما ما ينفع الناس فيمكث في الارض ط كذالك يضرب الله الامثال۔ (پ ۱۳۔ رعد آیت ۱۸)	جھاگ یونہی ختم ہو جاتا ہے اور جو لوگوں کو نفع دیتا ہے۔ وہ زمین پر باقی رہتا ہے۔ اس طرح اللہ مثالیں دیتا ہے۔

تجربہ اور اللہ کی رحمت کی ترغیب اس طرح کے قرآنی قصے اللہ اور اس کی مدد پر توکل کی (زمانہ کے تمام اختلافات کے باوجود) دعوت دیتے ہیں اور تمام ناسازگار و مخالف فضا اور حالات میں بھی دعوت حسن سیرت اور عمل صالح پر اعتماد بحال کر دیتے ہیں۔ خدائی نصرت کے معجزانہ کارنامے، اور قدرت الٰہیہ کے عجائبات کے تذکرے قرآن میں بہ تکرار آتے رہتے ہیں جب قرآن کسی نبی کی خدائی مدد، فتح مبین، قبولیت دعا اور دشمن پر غلبہ کا ذکر کرتا ہے تو وہیں اس نبی کے ماننے والوں اور اس کی دعوت کے حمائیتیوں کو اس تجربہ کی دعوت بھی دیتا اور انہیں رحمت الٰہی سے پر امید کر دیتا ہے۔ جیسے حضرت ایوبؑ نبی پر خدا کے عطیے کے ذکر کے بعد ارشاد ہوا۔

رحمةً من عندنا و ذكرى للعابدين — یہ ہماری رحمت سے ہوا اور عبادت گذاروں کے لئے تنبیہ ہے۔

(پ ۱۷۔ انبیاء آیت ۸۴)

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا۔

فَاستجبنا له و نجيناه من الغمّ ط وكذالك ننجى المومنين — ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی اور ہم ایسے ہی مومنین کو نجات دیتے ہیں

(پ ۱۷۔ انبیاء آیت ۸۸)

سلامٌ على موسىٰ و هارون انّا كذالك نجزى المحسنين۔ — موسیٰؑ و ہارونؑ پر سلامتی ہو ہم اسی طرح نیکوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

سلامٌ علىٰ الياسين انّا كذالك نجزى المحسنين — الیاس پر سلام ہو ہم اسی طرح نیکو کاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔

پ ۲۳ الصفت رکوع ۸ آیت ۱۲۰/۱۳۱

قصہ لوط کے ذکر کے بعد فرمایا گیا۔

نعمةً من عندنا كذالك نجزى من شكر (پ ۲۷۔ القمر۔ آیت ۳۵) — یہ بطور ہماری نعمت کے ہوا، جو شکر کرتا ہے اسے ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

اس لئے قرآن کے بڑے حصے پر مشتمل یہ قصے، یا تاریخی کہانیاں نہیں بلکہ وہ ذکر و موعظت، ترغیب، دعوت و ارشاد، رہنمائی اور تقویت و تشجیع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لقد كان فى قصصهم عبرةٌ لاولى الالباب ط ما كان حديثاً يفترىٰ ولكن تصديق الذى بين يديه — ان کے قصوں میں عقل والوں کے لئے سامان عبرت ہے۔ یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں بلکہ اپنے سے پہلے واقعہ کی تصدیق۔ ہر چیز کی تفصیل اور

و تفصیل کل شیئٍ و ھدًی و رحمۃً لقومٍ یؤمنون ۰

ایمان لانے والی قوم کے لئے ہدایت و رحمت ہے

(پ ۱۳ سورہ یوسف رکوع آیت ۱۱۱)

و کلًّا نقصّ علیک من انبآءِ الرسل ما نثبّتُ بہ فؤادک و جآءک فی ھذہ الحقّ و موعظۃٌ و ذکرٰی للمومنین ۰

اور ہم انبیاء کی تمام خبریں آپ کو دیتے ہیں اور آپ کے پاس اس بارے میں حق آچکا جو نصیحت اور مومنین کے لئے یاد کرنے کی چیز ہے۔

(پ ۱۳- سورہ ہود رکوع ۱۰- آیت ۱۲۰)

تمام انبیاء کے ساتھ اللہ کا طریقہ

اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ تمام انبیاء کے ساتھ رہا ہے۔ مثلاً حضرت نوحؑ کی قوم نے جب ان سے کہا انؤمن لک واتّبعک الارذلون۔ (پ ۱۹ سورۃ الشعراء رکوع ۱۰- آیت ۱۱۱)

ترجمہ:- کیا ہم تم پر ایمان لائیں حالاں کہ ذلیل لوگ تمہاری پیروی کرتے ہیں

حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے عجز کے ساتھ اپنے ضعف کی شکایت کی

انّی مغلوبٌ فانتصر

میں شکست کھا رہا ہوں میری مدد کر۔

اور حضرت لوطؑ نے قوم سے کہا۔

لو انّ لی بکم قوّۃً او اٰوی الٰی رکنٍ شدیدٍ ۰ (پ ۱۲ سورہ ہود آیت ۸۰)

کاش تمہارے مقابلے کی مجھے طاقت ہوتی یا کسی مضبوط چیز کا سہارا لیتا۔

اور حضرت شعیبؑ کی قوم نے ان سے کہا۔

ما نفقہ کثیرًا ممّا تقول و انّا لنرٰک فینا ضعیفًا ج ولو لا رھطک لرجمنٰک وما انت علینا بعزیزٍ۔ (پ ۱۲ سورہ ہود رکوع ۸ آیت ۹۱)

جو تم کہتے ہو اس کا بیشتر حصہ ہم نہیں سمجھ پاتے اور ہم تمہیں اپنے درمیان کمزور پاتے ہیں اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے۔ اور تم ہم پر غالب آنے والے نہیں۔

اور فرعون اپنے اور حضرت موسیٰؑ کے بارے میں صراحت اور بے شرمی کے ساتھ کہتا ہے۔

و نادٰی فرعون فی قومہٖ قال یٰقوم الیس لی ملک مصر و ھذہ الانھار

اور فرعون نے اپنی قوم میں اعلان کیا اور کہا اے قوم کیا میرے پاس مصر کی سلطنت نہیں؟ اور

تجری من تحتیؐ افلا تبصرون ۰
ام انا خیرٌ مّن هٰذا الذی
هو مهینٌ وّلا یکاد یبینُ
فلولآ القی علیه اسورةٌ
من ذهب او جآء معهُ الملائکةُ
مقترنین ۰ (پ۲۵ سورہ الزخرف رکوع ۱۱ آیت ۵۱)

یہ نہریں میرے قدموں کے نیچے بہہ رہی ہیں، کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا میں اس سے بہتر نہیں جو ذلیل ہے، اور بولنے پر بھی قادر نہیں اور اگر وہ سچا ہے تو اس کے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں آئے یا اس کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں آئے۔

انبیا جن قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے وہ بڑی قوت وقدرت والی بڑے سازوسامان کی مالک اور بڑی خوشحال قومیں تھیں۔ حضرت ہودؑ کا قول اپنی امت کے بارے میں گذر چکا۔

واتقوا الّذی امدّکم بما
تعلمون ۰ امدّکم بانعامٍ وّبنین ۰
وجنّٰتٍ وّعیونٍ (پ۱۹ شعراء آیت ۱۳۲)

ڈرو اس سے جس نے وہ کچھ تمہیں دیا ہے جو تم جانتے ہو، تمہیں جانور دئے، اولادیں، باغ دئے اور چشمے۔

اور حضرت صالحؑ نے اپنی امت سے اس طرح فرمایا:

فاتقوا الله و اطیعون ۰ وما اسئلکم
علیه من اجرٍ ان اجری الّا
علیٰ ربّ العالمین ۰ اتترکون فیما
هٰهنا اٰمنین ۰ فی جنّٰتٍ وّعیونٍ
وزروعٍ وّنخلٍ طلعها هضیمٌ
وتنحتون من الجبال بیوتاً فارهین
پ۱۹ رکوع ۱۲ سورہ شعراء آیت ۱۴۴ تا ۱۴۹

تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں اس کا تم سے بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ (خدا) رب العالمین کے ذمہ ہے جو چیزیں (تمہیں یہاں میسر) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دئے جاؤ گے؟ یعنی باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور کھجوریں جن کے خوشے لطیف ونازک ہوتے ہیں اور تکلف سے پہاڑوں میں تراش خراش کر کے گھر بناتے ہو

اور شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا:- انّی اراکم بخیرٍ میں تمہیں خوشحال دیکھ رہا ہوں لیکن خدا کی عطا کردہ اس خوشحالی کا نتیجہ کیا ہوا؟ اس کا جواب قرآن کی زبان سے سنئے:-

الم یروا کم اهلکنا من قبلهم
من قرنٍ مّکنّٰهم فی الارض
مالم نمکّن لّکم وارسلنا السمآء
علیهم مدراراً وّجعلنا الانهار

کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا جنہیں زمین میں ہم نے وہ طاقت دے رکھی تھی، جو تمہیں نہیں دی۔ اور ہم نے ان پر آسمان کے دہانے کھول دئے اور ان کے نیچے

تجری من تحتہم فاھلکناھم بذنوبھم و انشاءنا من بعدھم قرنا اخرین ہ (پ انعام رکوع ، آیت ٦)

نہریں بھی بہائیں۔ پھر ان کے گناہوں کے سبب انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری نسل کو کھڑا کر دیا۔

مادیت کے لئے سب سے بڑا چیلنج اور اسباب کی خدائی کے خلاف سب سے بڑی بغاوت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ جو بار بار قرآن میں بیان ہوا ہے وہ مادی اسباب کی ذاتی تاثیر کے خلاف سب سے بڑا چیلنج ، ان اسباب اور ان کے ماننے والوں کی قوت کا مذاق اڑانے والا اور ان کی کمزور اور غیر مفید ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے ۔گویا حضرت ابراہیم مادیت اور اس کے حاملین کے استخفاف اور استہزار پر مامور ہو کر آئے تھے ، جو اس کی تصدیق کرتے ، اس کا کلمہ پڑھتے اور اس پر ہر طرح بھروسہ کرتے تھے۔ ان کو حقیر سمجھنے اور خدا کی مدد سے ان پر فتح پانے اور ان کی تذلیل میں خاص لذت ، قلبی تسکین اور روحانی غذا حاصل ہوتی تھی۔ اور گویا وہ اپنے ایمان اور توحید کے طویل اور بابرکت سفر میں ہر قدم پر مادیت کو اپنے قدموں سے روندنے ، اپنے عزم سے اسے مسخر کرنے کا التزام کر کے شک پر ایمان کی مادہ پرور روح کی نظام شرک پر توحید کی نئی فتح کا سرو سامان کر رہے تھے۔

اپنی طویل زندگی میں انہوں نے اپنے ماحول کی قوت و بادشاہت ، مادہ اور معدہ کی عبادت ، باطل خداؤں اور دھمکانے والی طاقتوں کے خلاف ہمیشہ علم بغاوت بلند رکھا۔ اس کا راز یہ تھا کہ ان کے وقت کی دنیا مادی اسباب کی شدت سے قائل اور اس پر حد سے زیادہ اعتماد کر بیٹھی تھی حتیٰ کہ وہ اسے مستقل اور ذاتی طور پر مؤثر سمجھنے لگی تھی۔ اور اسے خدا کے ساتھ ایک خدا کی حیثیت دے دی تھی۔

مادیت کی یہ غلامی ، تقدس اور اس پر اعتماد نے ان کی بت پرستی کے پہلو میں ایک نئی بت پرستی کی شکل اختیار کر لی تھی جس میں وہ پہلے سے ڈوبے ہوئے اور ان کی بندگی میں پھنسے ہوئے تھے ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی دونوں بت پرستیوں کے خلاف بغاوت اور اعلان جنگ ، خالص توحید کی دعوت اور اللہ کی بسیط و محیط قدرت کا اعلان اور اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ عدم سے چیزوں کو وجود میں لاتا ہے اور ان کی زمام کار بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اسباب سے تاثیر سلب کر سکتا اور ان کو جس کا چاہے تابع فرمان بنا سکتا ہے ۔

حرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فاعلین ہ (پ ١٧۔ انبیاء آیت ٦٨)

اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کو یقین کامل تھا کہ آگ ، اللہ کے ارادے کے تابع ہے اور جلانا اس کی ایسی صفت نہیں جو اس سے الگ نہ ہو سکے ۔ بلکہ یہ اس میں بطور امانت رکھی ہوئی ایک خاصیت ہے جس کی لگام کبھی ڈھیلی چھوڑ دی جاتی اور کبھی کھینچ لی جاتی ہے اور اسے ٹھنڈک اور سلامتی بنا دیا جاتا ہے چنانچہ آپ اس " نار نمرود " میں مومنانہ

شان کے ساتھ مطمئن اور پُر اعتماد انداز میں کودپڑے اور نتیجہ آپ کے یقین کے تابع ہی رہا۔

قلنا یا نارُ کونی بردًا وّ سلامًا علیٰ	ہم نے حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم کے لئے ٹھنڈک
ابراھیم و ارادوا بہ کیدًا فجعلنا	اور سلامتی بن ۰ اور وہ لوگ اسے نقصان پہنچانا
ھمُ الاخسرین ۰ (پ۱۷۔انبیاء آیت ۶۹)	چاہتے تھے ہم نے انہی کو ناکام کر دیا۔

لوگوں کا یہ خیال بھی تھا کہ زندگی بغیر سرسبزی، خوشحالی اور پانی کی فراوانی کے ممکن نہیں۔ اس لئے وہ اپنی آل واولاد اور اپنے رہنے سہنے کے لئے ایسی زرخیز زمین حاصل کرتے تھے جن میں پانی کی افراط اور شادابی کی فراوانی ہو اور جہاں صنعت وتجارت کی سہولتیں حاصل ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس چلی ہوئی عادت اور عام رسم ورواج اور اسباب پر تکیہ کرنے کے خلاف بھی قدم اٹھایا اور اپنے چھوٹے سے خاندان کے لئے (جو ایک ماں اور بیٹے پر مشتمل تھا) ایک بے آب وگیاہ وادی پسند کی جس میں نہ زراعت ممکن تھی نہ تجارت اور جو دنیا اور اس کی تجارتی منڈیوں سے بالکل کٹی ہوئی اور سرمایہ کے مرکزوں سے بہت دور تھی۔

آپ نے اللہ سے رزق میں وسعت کی دعا کی کہ وہ دلوں کو اس وادی کی طرف مائل کر دے۔ اور یہاں تک پھل اور میوے بغیر کسی معروف طریقے کے پہنچائے۔ آپ نے کہا۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بوادٍ	اے رب میں نے اپنے خاندان کو ایک ناقابلِ
غیر ذی زرع عند بیتک المحرّم	کاشت وادی میں تیرے معزز گھر کے قریب
ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃً	بسایا ہے۔ اے رب تاکہ وہ نماز قائم کریں اور انہیں
من الناس تھوی الیھم وارزقھم	پھل میسر کر شاید وہ شکر ادا کریں۔
من الثمرات لعلھم یشکرون ۰	(پ۱۳۔ ابراہیم۔ رکوع ۱۸ آیت ۳۷)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور انہیں رزق، امن وعافیت کی ضمانت دی۔ اور ان کے شہر کو ہر قسم کے پھلوں اور خیر وبرکت کے خزانوں کا مرکز بنا دیا۔

اولم نمکن لھم حرمًا امنًا یجبیٰ	کیا ہم نے ان کے لئے ایک پُر امن حرم مہیا نہیں کر
الیہ ثمراتُ کل شیءٍ رزقًا	دیا جس کی طرف ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں
من لدنّا ولکنّ اکثرھم لا	اور جو ہماری طرف سے بطور رزق کے تھے
یعلمون ۰ (پ۲۰۔قصص آیت ۵۷)	اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
فلیعبدوا ربّ ھذا البیت الّذی	تو انہیں اس گھر کے خدا کی عبادت کرنا چاہئے
اطعمھم من جوعٍ وّ اٰمنھُم	جس نے انہیں بھوک کے بعد کھانا کھلایا اور

مِنْ خَوْفٍ ۔ (پ ۳۰ قریش آیت ۴)　　　خوف کے بعد امن نصیب کیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے انہیں ایسی خشک زمین پر اتارا تھا جہاں پیاس بجھانے اور حلق تر کرنے کے لئے پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ لیکن ریت کے ذرّوں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ اور وہ اس وقت سے اب تک اس طرح جاری ہے کہ لوگ اسے جی بھر کر پیتے اور اپنے ملکوں کو لے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے گھر والوں کو چٹیل میدان میں لا چھوڑا تھا مگر وہ ایسا مرکزی مقام بن گیا جس کے لئے اطراف عالم کے لوگ عزم سفر کرتے اور رخت سفر باندھ کر آتے ہیں۔ دنیا کے گوشہ گوشہ سے منزلیں طے کرتے ہوئے پہنچتے ہیں اور دور دراز علاقوں سے آتے ہیں۔

اس طرح حضرت ابراہیمؑ کی زندگی اپنے زمانے کی پھیلی ہوئی اور حد سے بڑھی ہوئی مادیت، اسباب کی عبادت اور ان کی بندگی کے لئے چیلنج، اور اللہ اور اس کی قدرتِ مطلقہ، اس کے غالب ارادے پر ایمان کی زندہ مثال تھی اور اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ رہا کہ اس نے ان کے سامنے اسباب کو جھکا دیا اور ان پر حیرت انگیز نوازشیں کیں۔

حضرت موسیٰؑ کا واقعہ تنگ اور محدود مادی ذہنیت کے لئے چیلنج

قصہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی اس عقل مادی کے لئے ایک کھلے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو اسباب و حوادث کو خود مختار، ابدی اور جامد قانون سمجھتی ہے اور ایسی قاہر طاقت خیال کرتی ہے جو حاکم ہی محکوم نہیں۔ یہ قصہ ان لوگوں کو بڑی آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ جن کی فکر و نظر ماورائے اسباب یا اسباب سے اوپر نہیں جاتی۔ یہاں میں اپنے سابق مقالے سے مدد لوں گا۔ جس میں حضرت موسیٰؑ کے قرآنی قصے اور اس کی عبرت و بصیرت کا جائزہ لیا گیا تھا۔

"حضرت موسیٰؑ مصر کے ایک تاریک اور گھٹے ہوئے ماحول میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو بنی اسرائیل کو پورے طور پر گھیر چکا، اور ان کے لئے نجات کے تمام راستے بند کر چکا تھا۔ حال مایوس کن، مستقبل تاریک، تعداد تھوڑی، وسائل معدوم، قوم بے عزّت، دشمن بالادست، حکومت ظالم یہ چیزیں ان کی راہ میں حائل تھیں۔ نہ ان کا کوئی دفاع کرنے والا تھا۔ نہ کوئی بچانے والا۔ بنی اسرائیل کی حیثیت اس قوم کی سی تھی جس کا انجام بد معلوم و طے شدہ ہو اور وہ بدبختی اور فنا کے لئے پیدا ہوئی ہو۔۔۔ ان حالات میں حضرت موسیٰؑ پیدا ہوتے ہیں اور ان کی ولادت و زندگی فلسفۂ اسباب اور وقت کے نظام کے لئے سراپا چیلنج ثابت ہوتی ہے۔ فرعون نے چاہا کہ وہ پیدا نہ ہوں مگر وہ پیدا ہو کر رہے، اس نے خواہش کی کہ وہ زندہ نہ رہیں۔ مگر وہ زندہ بھی رہے اور لکڑی کے ایک بند صندوق میں نیل کے گہرے پانی میں معجزانہ طور پر زندہ رہے۔

آپ دشمن کی گود میں پرورش پاتے اور قاتل کی حفاظت میں پروان چڑھتے ہیں۔ آپ بھاگتے اور نجات پاتے اور ایک درخت کے سائے میں محزون ولاچار ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر معزز مہمانی، اور پسند کی شادی سے متمتع ہوتے ہیں۔ اہل وعیال کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں۔ راستے کی ناواقفیت اور رات کی تاریکی سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بیوی کو ولادت پیش آتی ہے اور ان کے لئے آگ کی تلاش ہوتی ہے اور وہ ایسا نور پاتے ہیں جس کے ذریعے بنی اسرائیل کی قسمت چمک جاتی اور ایک عالم راہ یاب ہو جاتا ہے۔ نبی ایک عورت کی ضرورت اور مدد کا سامان ڈھونڈتا ہے تو وہ پوری انسانیت کی مدد اور ضرورت کا سامان پا لیتا ہے۔ اور نبوت وپیمبری سے سرفراز کر دیا جاتا ہے

وہ فرعون کے خدم وحشم سے بھرے ہوئے دربار میں داخل ہوتے ہیں حالاں کہ وہ کل مطلوب و مفرور کی حیثیت میں تھے۔ جس پر فردِ جرم لگ چکی اور مقدمہ دائر ہو چکا تھا اور ان کی زبان میں لکنت اور ارادوں میں تذبذب تھا۔ لیکن آج وہ فرعون اور فرعونیوں کو اپنی دعوت و ایمان اور حجت و بیان سے مغلوب کر لیتے ہیں۔ اور فرعون ساحروں کی مدد سے اعجاز موسیٰ کو دبانا چاہتا ہے۔ جسے وہ ایک کرتب اور جادو سمجھتا ہے لیکن ساحر عاجز، اور قائل ہو جاتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں:۔

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَ هَارُوْنَ (پ ۹ اعراف رکوع ۴ آیت ۱۲۱)

ہم رب العالمین رب موسیٰؑ و ہارونؑ پر ایمان لائے۔

انہی اسرائیلیوں کو لے کر راتوں رات ظلم کی سرزمین سے نجات کی سرزمین کی طرف کوچ کا حکم ملتا ہے اور فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کرتا ہے جب صبح ہوتی ہے تو حضرت موسیٰؑ سمندر کو اپنے سامنے ٹھاٹھیں مارتے دیکھتے اور دشمن کو اپنے پیچھے یلغار کرتے دیکھتے ہیں اور سمندر میں گھس پڑتے ہیں۔ سمندر دو ٹکڑے ہو جاتا ہے اور ہر ٹکڑا ایک پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور قوم سمندر پار کر لیتی ہے۔ ان کی دیکھا دیکھی فرعون بھی اپنی فوج کے ساتھ سمندر میں اترتا اور غضب ناک سمندر کا لقمہ بن جاتا ہے۔ اس طرح فرعون اور اس کی قومی جماعت ہلاک ہوتی اور بنی اسرائیل کی محتاج اور کمزور قوم ان کی جگہ لے لیتی ہے۔

واورثنا القوم الذين كانوا يستضعفون مشارق الارض ومغاربها التي باركنا فيها وتمت كلمت ربك الحسنى	اور ہم نے اس قوم کو زمین کے مشرق و مغرب کا جس میں ہم نے برکت دی ہے مالک بنا دیا جو کمزور بنا دی گئی تھی اور آپ کے رب کی بہترین بات بنی اسرائیل کے لئے پوری ہو کر رہی، ان

علیٰ بنی اسرآئیل بما صبروا ط و دمرنا ما کان یصنع فرعون و قومہ وما کانوا یعرشون ۝

کے صبر کے نتیجے میں۔ اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی کارستانیوں کو مٹا کر رکھ دیا اور جو کچھ وہ انگور کی بیلیں چڑھاتے تھے۔

(پ۹ - سورہ اعراف رکوع، آیت ۱۳۶)

قصۂ حضرت یوسفؑ اور معروف طریقوں سے اس کی دوری

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی اپنی ندرت و غرابت اور حوادث کے متعین طبعی اسباب، قانون اور علت و معلول کے نام قانون کی کارفرمائی کے خلاف ایک تاریخی شہادت ہے۔ انہیں بھائیوں کے حسد اور فریب، کنوئیں کی اندھیاری میں ایک مدت تک قیام قافلہ والوں سے غلامی کا سابقہ پڑا جس میں ہلاکت، تکلیف اور بے عزتی کا قوی اندیشہ تھا لیکن وہ ان سب سے صحیح سالم بچ نکلتے اور زندہ رہتے ہیں۔

انہیں عصمت و عفت، وفاداری اور شرافت کا ایک سخت امتحان دینا پڑتا ہے جس میں وہ قوی محرکات اور مہیجات حسن و شباب اور فریق ثانی کی طرف سے طلب و اصرار (جسے اقتدار بھی حاصل تھا اور جس کا ان پر احسان بھی تھا) سے دوچار ہوتے اور سنگین الزام اور اخلاقی جرم میں اس زمانہ میں جیل میں داخل ہوتے ہیں جب کہ وہ جرم کی علامت تھی جہاں اخلاقی مجرم ہی رکھے جاتے تھے۔ وہ قیاس آرائی اور شہر میں پھیلی ہوئی افواہوں کا پسندیدہ موضوع بن جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ سب اپنے شہر سے دور اس جگہ ہوتا ہے۔ بلکہ ان کا اس قوم سے تعلق ہے جس سے مصری شدید نفرت و حقارت کا برتاؤ کرتے تھے اور اسرائیلی ہونے کے معنی تھے کہ عزت و اقتدار میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ ان پر ایک ایسی نسل سے ہونے کا جنم داغ ہے جس کے غلامی مقدر ہو چکی ہے۔ یہ سب حادثات ان کی گمنامی و بدنامی، اور عزت و اعتماد سے محرومی۔ اور مصری معاشرے کے کسی بھی معزز و محترم مقام (چہ جائے کہ حکومت و سیادت و منصب جلیل جس کے حق دار صرف شرفا ہی تھے) محرومی کا سبب ہو سکتے تھے نہ کہ اس کے بعد وہ مصر کے بادشاہ ہوتے اور ان کے فیصلے نافذ ہوتے اور لوگوں پر رعب و داب ہوتا۔ لیکن اس کے برعکس لوگوں نے کھلی آنکھوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے تخت حکومت پر بیٹھتے اور اقتدار سنبھالتے دیکھا۔

وکذالک مکنا لیوسف فی الارض یتبوأ منہا حیث یشآء ط نصیب برحمتنا من نشآء ولا نضیع اجر المحسنین ۝

اور اس طرح ہم نے زمین پر یوسفؑ کے قدم جمائے کہ وہ جہاں چاہے رہ سکے۔ ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں اور نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

(پ ۱۳ - یوسف رکوع آیت ۵۶)

قصہ یوسف علیہ السلام اور سیرت نبوی ؐ میں مماثلت

خاتم النبیینؐ اور قریش کے وہ جوان جو ایمان لائے اور جنہوں نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دئے تھے وہ بھی ایسے ہی تاریک حالات و مشکلات سے دوچار تھے۔ اور انہیں بھی، تعداد کی کمی، موقف کی کمزوری، اسباب کی نایابی، خاندان کی ملامت اور قوم کی شدید مخالفت و مقاطعہ۔ گھراؤ، دباؤ اور راہ خدا سے بندش اور مومنین کی مظلومیت (جنہیں وہ بددین اور احمق کہتے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش مستقل خوف و خطر کا سامنا تھا جس کا قرآن سے زیادہ معنی خیز بیان اور اس سے بہتر تصویر کشی ممکن نہیں۔

واذکروا اذ انتم قلیل — وہ وقت یاد کرو۔ جب تم بہت تھوڑے
مستضعفون فی الارض — اور زمین میں کمزور و ضعیف تھے اور تمہیں یہ
تخافون ان یتخطفکم الناس ۝ — ڈر لگا رہتا تھا کہ لوگ تمہیں اچک نہ لیں۔

(پ۹ سورۃ الانفال رکوع ۲ آیت ۲۶)

رسول اللہؐ کو مدد غیبی اور عظیم مستقبل کی بشارت

ان تاریک حالات میں جو نہ کوئی امید بندھاتے ہیں اور نہ کسی مستقبل کی بشارت دیتے ہیں اور نہ جن میں روشنی کی کوئی کرن ہی دکھائی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ سے حضرت یوسفؑ کا قصہ بیان کیا۔ رسول اللہؐ کی سیرت قصہ یوسفؑ سے بہت ہی مشابہ ہے۔ قبیلۂ قریش کے معاملات برادران یوسف کے معاملات کے ہم شکل نظر آتے ہیں: یہاں بھی شروع میں حسد اور رنجش سے آغاز ہوتا ہے اور آخر میں اس کی انتہا اعتراف، تعظیم اور ندامت پر ہوتی ہے۔ ابتدائی دور قطع تعلق سے اور جور و ستم سے ہوتا ہے اور انتہا تسلیم اور التجائے رحم پر ہوتی ہے۔

حضرت یوسفؑ کے سلسلہ میں کنوئیں کی تاریکی اور ہجرت نبویؐ میں غار ثور کا مرحلہ اور ابن یعقوب کی داستان میں قید و بند کا باب ابن عبدالمطلب کی سیرت کے شعب ابی طالب والے باب ایک دوسرے کے بہت مشابہ ہیں۔ دونوں کے دشمنوں کی طرف سے یہ اعلان و اظہار یکساں ہے کہ:-

تاللہ لقد اٰثرک اللہ علینا — بخدا اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور ہم
وان کنا لخاطئین (پ۱۳ یوسف آیت ۹۱) — ہی خطاوار تھے۔

اور دونوں سرداروں قوم کو یکساں اور نرم شریفانہ جواب ہی دئے۔

لاتثریب علیکم الیوم ط یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین ۝

آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم والا ہے

(پ۱۳۔ یوسف رکوع آیت ۹۲)

قرآن نے اس عظیم قصے کو اس طرح شروع کیا ہے۔

نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک هذا القرآن و ان کنت من قبله لمن الغافلین ٥
پ ۱۳۔ سورہ یوسف رکوع ۱ آیت ۳

ہم آپ سے ایک بہترین قصہ کہنے جا رہے ہیں اس سبب سے کہ ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے اور اگرچہ آپ اس سے پہلے غافلوں میں تھے۔

اور قصہ کو ختم اس طرح کیا گیا ہے :-

لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب ط ما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیه وتفصیل کل شیءٍ وّهدًی وّرحمة لقوم یومنون ٥ (پ ۱۳ یوسف۔ آیت ۱۱۱)

ان کے قصہ میں اہل عقل کے لئے عبرت ہے یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں۔ بلکہ اپنے سے سابق قصہ کی تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل اور مومن قوم کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

اس طرح یہ سورۃ مکہ کے بوجھل اور تاریک ماحول میں اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک عظیم و تابناک اور شاندار مستقبل کی بشارت ثابت ہوئی۔ گویا حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ آپ کا قصہ ہے۔ اور مخالف ماحول میں کنایہ، صراحت سے ہمیشہ بلیغ مانا گیا ہے۔

انبیاء کی کامیابی امت کی کامیابی

پھر اللہ نے آنحضرتؐ سے حضرت موسیٰؑ اور فرعون اور ان کے ساتھیوں کا قصہ بیان کیا ہے جو قصہ سورہ قصص میں آیا اس میں حضرت موسیٰؑ کی کامیابی اور فرعون کی چالوں سے آگاہی اور سلامتی اور رسالت عظمیٰ اور نبوت سے سرفرازی (جب کہ وہ صرف اپنی زوجہ کے تاپنے کے لئے آگ کی تلاش میں تھے) دشمن کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات کا بیان ہوا ہے۔ یہ حضرت یوسفؑ کے قصہ سے اس کے سوا بالکل مشابہ ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کی نجات، ان کی کامیابی اور سیادت کا قصہ زائد طور پر بیان ہوا ہے۔

اس قصہ کا افتتاح ایک بڑی معرکہ آرا تمہید کے ساتھ ہوا ہے جس میں قریشی مخالفین کے دل دہلا دینے اور اس کمزور مومن جماعت کے مستقبل کے تصور سے مرعوب کر دینے کے لئے کافی سامان ہے جسے قریشی خاطر میں نہیں لاتے تھے اور اسے نگل جانے کی فکر میں تھے فرمایا گیا۔

طسم ٥ تلک آیات الکتاب المبین نتلوا علیک من نبإ موسیٰ و فرعون بالحق لقوم یومنون ٥ ان فرعون

یہ کھلی کتاب کی آیتیں ہیں۔ ہم آپ کو موسیٰؑ و فرعون کا ٹھیک ٹھیک قصہ مومن قوم کی خاطر سناتے ہیں۔ فرعون نے زمین (مصر) میں بڑا

علا فی الارض و جعل اھلھا شیعاً یستضعف طائفۃً منھم یذبح ابناءھم ویستحیی نساءھم انہ کان من المفسدین ۝ ونرید ان نمنّ علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمۃً و نجعلھم الوارثین ۝ و نمکّن لھم فی الارض و نری فرعون و ھامان وجنودھما منھم ما کانوا یحذرون۔

(پ ۲۰۔ القصص رکوع ۴)

بننے کی کوشش کی اور اس کے باشندوں کو تقسیم کر دیا اور ایک طبقہ کو اس نے کمزور کرنا شروع کر دیا۔ وہ ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا اور لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا۔ وہ مفسدوں میں سے تھا۔ ہم خاص طور پہ ان لوگوں پر احسان کرنا چاہتے ہیں جو زمین میں کمزور بنادئے گئے ہیں اور انہیں امام اور وارث بنا دینا اور زمین پر ان کے قدم جما دینا چاہتے ہیں۔ اور فرعون وہامان اور ان کے لاؤ لشکر کو جس انجام بد سے وہ ڈرتے تھے اسے دکھا دینا چاہتے ہیں۔

داعیوں اور مومن وصالح کام کرنے والوں کے لئے قوت و اعتماد کا سرچشمہ یہ بلیغ و مؤثر قصے قلب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویت و تسلّی کے لئے ہوتے تھے جیسا کہ فرمایا گیا۔

وَ کُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِہٖ فُؤَادَکَ وَ جَآءَکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَۃٌ وَّ ذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ (پ ۱۲ آیت ۱۲۰)

اور رسولوں کی خبروں میں سے ہم ہر وہ خبر آپ کو دیتے ہیں جس سے آپ کے قلب کو تقویت دیں اور آپ کے پاس اس سلسلہ میں حق اور مومنین کے لئے نصیحت اور یاد دہانی آچکی ہے۔

یہ سچے قصے داعیوں اور منہاجِ نبوت پر کام کرنے والوں اور ایمان وعملِ صالح اور تقوٰی کی طرف بلانے والوں، مصیبت پر صبر کرنے والوں، جہاد پر قائم رہنے والوں اور اللہ کے راستے میں جاگنے والوں کے لئے ہمیشہ قوت و ثابت قدمی کا اور روشنی پیدا کرنے والی امید، فوز و فلاح اور مخالفوں کے مقابلہ پر فتح وظفر کے قوی یقین کا سرچشمہ خزانہ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں فرمایا ہے:۔

وَ تَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا وَ دَمَّرْنَا مَا کَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُہٗ وَ مَا کَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ۝ (پ ۹ آیت ۱۳۷)

اور بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کے نتیجہ میں آپ کے رب کی اچھی بات پوری ہوئی اور جو فرعون اور اسکی قوم کر رہی تھی اور جو بیلیں چڑھاتے تھے اسے ہم نے نیست و نابود کر دیا۔

اور یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عنایت کردہ نمایاں کامیابیوں کی توجیہہ کرتے ہوئے فرمایا۔

قَالَ اَنَا یُوسُفُ وَ هٰذَآ اَخِیْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا ط اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (پ۱۳ آیت ۹۰)

کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، اللہ نے ہم پر احسان کیا، جو بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

یہ جان لینا چاہئے کہ یہ اللہ کی وہ سنت ہے جس میں کبھی استثنار نہیں ہوتا اور انبیاء کے منہاج و طریقہ دعوت اور کوشش، ایمان و عمل صالح، صبر و طاعت اور اچھی و پاکیزہ سیرت ایسا مبارک درخت ہے جو خدا کے حکم سے ہمیشہ سدا بہار اور ثمر دار رہتا ہے اور ایک کمزور ترین فرد بھی ان صفات کے ذریعہ قوی ہو جاتا ہے اور کوئی بھی اقلیت اگر ان اخلاقِ فاضلہ کی حامل ہو تو وہ اکثریت ہے۔

کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ o (پ۲ آیت ۲۴۹)

کتنی ہی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئیں، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ o (پ۴ آل عمران آیت ۱۳۹)

نہ ہمت ہارو اور نہ غمگین تمہیں سربلند ہوگے اگر تم مومن ہو

یہ قصے نسل در نسل قوت و عبرت کا سرچشمہ، اپنے قوی ایمانی طرز اور اس کی دلیل ہونے کی وجہ سے بنے رہے کہ انبیاءؑ کی دعوت ہی کو فتح و ظفر ملتی ہے۔ اور اللہ کی پسندیدہ سیرت و صفات ہی کے ساتھ فوز و فلاح وابستہ ہیں۔ خواہ اس کے اسباب کتنے ہی مخالف، اس کی مخالف قوتیں کتنی ہی نبرد آزما اور مادی طور پر اس دعوت کے حامل کتنے ہی کمزور کیوں نہ ہوں۔

قَدْ کَانَ لَکُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ط فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰی کَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ط وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ (پ۳ - آیت ۱۳)

تمہارے لئے ان دو جماعتوں میں نشانی تھی، ایک جماعت تو اللہ کے راستے میں جہاد کر رہی تھی اور دوسری کافر تھی اور وہ مسلمانوں کو چشم دید طور پر اپنے سے دوگنا دیکھ رہی تھی اور اللہ اپنی مدد سے جس کی چاہتا ہے تائید کرتا ہے اس میں عقل والوں کے لئے بڑی عبرت ہے

انبیاءؑ کی دعوت پر ایمان یا پھر ہلاکت و تباہی انبیاء کی سیرت جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کبھی تفصیل اور کبھی اجمال کے ساتھ بیان کیا ہے اور بہ تکرار اس کا ذکر کیا ہے، اس کے درمیان ایک ایسا متفقہ نقطہ پایا جاتا ہے جس میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا اور وہ یہ ہے، ان کا تمام رکاوٹوں کے باوجود کامیاب، اپنے دشمنوں کے مقابلے میں کامیاب ہونا، اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو یہ مخالفین ایمان لے آتے اور ان کی دعوت قبول کر لیتے اور اس کے مخلص فدائی بن جاتے ہیں یا پھر ہلاک اور تباہ کر دئے جاتے ہیں۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پ آیت ۴۵) پھر کٹ گئی جڑ ظالموں کی اور سب تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔

انفرادی اور قومی مصالح کی کوئی قیمت نہیں جو دعوت، انسانیت کی سعادت و نجات کا مدار ہے اس کی عنداللہ یہ قیمت ہے کہ اس کے لئے نوامیس فطرت اور قوانین قدرت بھی توڑ دئے جاتے ہیں اور اس کے لئے وہ کچھ کیا جاتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور فردی یا اجتماعی مصلحتیں یا سیادت و غلبہ کی خواہش اور وہ بے معنی قیادتیں جو نہ خیر کو اٹھاتیں اور نہ شر کو گراتی ہیں۔ اور ان سے اسلام و انسانیت کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اور ان کا شر و فساد اور کفر و فسق کی طاقتوں سے کوئی جھگڑا نہیں، ان کی ساری دوڑ دھوپ اور لڑائی اس کے لئے ہوتی ہے کہ ہونے والے تمام گناہ اور فساد ان کی نگرانی، سرپرستی اور ان کے سایۂ اقتدار میں ہوں جن کا فائدہ انہیں پہنچے۔ تو ایسی انفرادی و اجتماعی کوششوں کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت اور مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں۔ اور اللہ کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ کس وادی میں مرتی اور کون سا دشمن ان پر غلبہ پاتا ہے اور ان کا خاتمہ کب ہوتا ہے۔

ایسی ہی کوششوں کے مقابلے میں سرکش و جابر اور بے رحم بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوتی اور ایسے مشکلات و مسائل سامنے آجاتے ہیں جن کی ابتدا و انتہا معلوم نہیں ہوتی۔

ایک پھیلا ہوا غلط خیال آج مسلم قوموں اور عالم اسلامی میں یہ خیال مقبول و مروّج ہے اور اس پر سب کا ایمان راسخ ہے کہ سیرت و کردار کے مقابلے میں مادی طاقت ہی فیصلہ کن میزان اور معیار ہے۔ بہت سے اچھے اچھے دینداروں حتیٰ کہ دین کے داعیوں کا بھی یہ نعرہ ہو گیا ہے کہ "مادی طاقت سب سے پہلے"

یہی وہ طریقۂ فکر ہے جس کا ابطال و تردید انبیاء و مرسلین کی سیرت ان کے ساتھ پیش آنے والے حوادث اور ان کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والے عجائب و معجزات، ان پر اللہ کی نصرت، فتح کے انعام اور ان کے دشمنوں سے انتقام میں موجود ہے۔

یہاں ایک بار پھر اپنے رسالہ "ثورۃ فی التفکیر" سے ایک اقتباس مستعار لیتا ہوں۔

"ایک طویل مدت سے ہم اپنی ذات، اپنی قیمت وحیثیت کو (دنیا کے نقشہ میں) مادی "طاقت، صلاحیت، وسائل، خام مواد، ملکی پیداوار، عددی طاقت، جنگی پوزیشن" سے تولنے اور ناپنے کے عادی ہوگئے ہیں اور ہم کہیں اپنا پلڑا بھاری اور کہیں ہلکا پاتے ہیں اور اس سے خوش یا افسردہ ہوتے ہیں۔"

ایک عرصے سے مغرب کی قیادت و سیادت پر ہمارا ایمان سا ہوگیا ہے اور گویا ہم نے مان لیا ہے کہ یہ تقدیر مبرم، امر محکم، اور اٹل قانون ہے جس میں کوئی تبدیلی اور انقلاب نہیں آسکتا۔ اور اس طرح وہ قدیم مثل پھر زندہ ہوگئی کہ "اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی تو کبھی اس کو باور نہ کرنا۔"

اب ہم مغربی اقتدار اور مغرب کی قائدانہ صلاحیت کو چیلنج کرنے کے بارے میں کبھی سوچتے بھی نہیں۔ اور اگر کبھی "علم و تحقیق" سے آنکھ بچا کر اور عقل و فہم کو نظر انداز کرکے سوچتے بھی ہیں تو ہم اپنے وسائل و امکانات، جنگی طاقت، اسلحہ کی پیداوار اور ایٹمی طاقت کی پوزیشن کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم کو ناامیدی اور بدفالی گھیر لیتی ہے اور ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ہم محکومی و غلامی، زندگی کے دھارے سے دور رہنے، مغرب کا دست نگر اور دو بڑی طاقتوں میں سے کسی ایک سے وابستہ رہنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

ایمان و اطاعت مومن کا ہتھیار اور کامیابی کی کنجی ہے

لیکن اللہ نے قرآن میں انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور ان کے دشمنوں کا جو حال بتایا اور جس کی ہم نے اپنے مقالے میں کچھ درخشندہ مثالیں پیش کی ہیں وہ اس اندازِ فکر سے پوری طرح ٹکراتی ہیں اور ہم پر یہ واضح کرتی ہیں کہ انبیاء کی کامیابی کا راز اور جن کامیاب ہتھیاروں سے انہوں نے اپنے مخالفین کا مقابلہ کیا اور ان کی چھوٹی سی کمزور جماعت کامیاب اور دنیا کی امامت و ہدایت کے منصب پر فائز ہوگئی وہ "ایمان" "اطاعت" "دعوت الی اللہ" تھی۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ۝ (پ ۲۱۔ آیت ۲۴)	اور ہم نے ان میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے۔ یہ ان کے صبر اور آیتوں پر یقین کے سبب ہوا۔
وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۗ	اور ہم نے حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی کو وحی کی کہ تم دونوں اپنی قوم کو مصر میں بساؤ اور اپنے گھروں کو مسجدوں کی شکل دو۔ اور نماز

(باقی ص ۲۹ پر)

وفاقی شرعی عدالت

۱۴۶ مرکز روڈ۔ ایف۔۶/۳۔ اسلام آباد

پبلک نوٹس نمبر ۶، ۱۹۸۹ء

آئین کی دفعہ ۲۰۳ - ڈی کے تحت دائر کردہ مندرجہ بالا شریعت درخواست میں کنٹونمنٹ ایکٹ مجریہ ۱۹۲۴ء کی دفعہ ۴۸ کو اس بنیاد پر چیلنج کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا دفعہ کے تحت محاصل کی تشخیص یا کسی ٹیکس کی واپسی سے انکار کی صورت میں اپیل کے طریقہ کار کے مطابق اپیل صرف ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا مرکزی حکومت کی طرف سے مقرر کردہ افسر کے پاس دائر کی جا سکتی ہے۔ یہ امر مبینہ طور پر قرآن کریم کی سورت النساء کی آیت ۵۹ کے منافی ہے۔ کیونکہ اس آیت کی روشنی میں اپیل صرف عدالت میں ہو سکتی ہے، نہ کہ انتظامیہ کے کسی افسر کے پاس۔

عوام الناس بالخصوص علماء، فقہاء اور وکلاء سے بذریعہ نوٹس ہذا درخواست ہے کہ وہ اپنی فقہی آراء قرآن و سنّت میں مذکور احکام کی روشنی میں تیار فرما کر ۱۵ جون ۱۹۸۹ء تک ارسال فرما دیں۔

مزید برآں وہ حضرات جو اصالتاً تشریف لا کر عدالت کی مدد کرنا چاہتے ہوں انہیں چاہیئے کہ وہ تحریری طور پر زیر دستخطی کو مطلع کرنے کے ساتھ ساتھ مکتوبہ آراء بھی بھیج دیں۔

(عزیز الرحمٰن)
رجسٹرار
فون ۸۲۰۵۲۱

PID(I) 4745/101